

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اپنے طلبہ کرام سے چند ضروری گزارشات

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى، وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، وصلى الله تعالى وبارك وسلم على سيدنا ومولانا محمد سيد ولد آدم وخاتم النبيين، وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد۔

برادران محترم! پہلے تو ہم اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرتے ہیں کہ دو سال کے بعد پھر موقع ہوا جو ہم ایک ساتھ جمع ہو سکے، اللہ تعالیٰ اس ملاقات یاہمی کو قبول فرمائے اور اسے ہمارے لئے خیر و برکت کا ذریعہ بنائے

پہلے ایک دو مرتبہ اس نوع کی بعض مجلسوں میں مرکز کی طرف سے کچھ معروضات پیش کئے گئے تھے، اس مرتبہ بھی مناسب معلوم ہوا کہ کچھ گزارشات ساتھیوں کی خدمت میں پیش کر دئے جائیں، چنانچہ تو کلاً علی اللہ عرض کیا جاتا ہے:

۱۔ پہلے تو سابق معروضات کی یاد دہانی کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، ۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۴ء کی مجلس میں، جو اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی۔ اسی طرح یکم صفر المظفر ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۹ جنوری ۲۰۰۹ء کی مجلس میں، جو اس سلسلے کی تیسری مجلس تھی، جو معروضات پیش کئے گئے تھے، احباب سے درخواست ہے کہ وہ ان معروضات کو کبھی کبھی پڑھ لیا کریں۔ یہ سارے گزارشات "طالب علم ایرپتی کچھو فردیشنا" کے عنوان سے چھپے ہوئے ہیں۔

۲۔ علم و عمل میں ترقی کے لئے کوشاں رہنا تو ہر وقت مطلوب ہے، لیکن جس چیز کا سب سے زیادہ خیال رکھنا چاہئے وہ یہ ہے ہم اصول و عقائد اور اپنے متواتر خصائص کے بارے میں کوئی تساہل نہ کریں، حالات کی مجبوری کا اثر اصول و عقائد اور اخلاق و افکار پر ہر گز نہ پڑنا چاہئے، ماحول سے اتنا متاثر ہو جانا کہ آدمی اپنے متواتر اقدار ہی کو پامال کر دے، ہر گز مناسب نہیں۔

اپنے اندر اس مزاج کو زندہ رکھنے کے لئے صحابہ کرام، سلف صالحین، اور ہمارے قریبی دور کے اکابر کے سوانح کا مطالعہ ان شاء اللہ تعالیٰ مفید رہے گا، صفحات، حاشیہ، رسالہ، المسترشدین، اسوہ صحابہ، آپ بیتی، اکابر دیوبند کیا تھے، میرے والد میرے شیخ، پاجا سراغ زندگی، سمیت اس نوع کی دیگر کتابوں کا مطالعہ تازہ رکھنا چاہئے اگرچہ باری باری کر کے ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت مولانا علی میاں رح کی "کاروان زندگی" بھی بہت ہی اہم چیز ہے۔

۳۔ یہاں کے متخرجین اور اساتذہ و طلبہ آپس میں فکری وحدت پیدا کرنے کی کوشش کریں تو بہت ہی مناسب ہے، ہمارے دین و شریعت کے مصادر و دلائل متعین ہیں، اس کی مستند تعبیر و تفسیر جو اہل السنۃ والجماعت میں متواتر ہیں وہ بھی الحمد للہ متعین ہیں، رہ جاتا ہے ان چیزوں کا علم حاصل کرنا، ان کا صحیح فہم حاصل کرنا، ان کا صحیح عرض سیکھنا، ان کی صحیح تطبیق، اور حوادث و نوازل میں ان سے طریقے کے مطابق روشنی حاصل کرنا، ان امور میں آپس میں فکری ہم آہنگی بہت ہی ضروری اور بہت ہی مفید چیز ہے، اس فکری وحدت اور مزاجی ہم آہنگی کے لئے جو چیزیں معاون ہوتی ہیں ان میں ایک چیز مطالعہ بھی ہے، بعض بنیادی اور منتخب کتابوں کو سارے ساتھی اپنے مطالعہ میں رکھیں اور بار بار مطالعہ کریں، نمبر ۲ میں ذکر کردہ کتابوں کے علاوہ المواد الاضافیہ اور مشترک سال کے نصاب میں موجود لازمی اور اختیاری

مطالعہ کی کتابوں کو اس سلسلے میں شامل کیا جاسکتا ہے، عالم کے لئے استفادے اور ضرورت کے مطالعہ کی کوئی تحدید بالکل نہیں، لیکن ذوق و مزاج اور فہم و فکر کا مطالعہ بہت ہی پاکیزہ اور متعین ہونا بہتر ہے۔

۴۔ بری عادتیں بہت ہیں لیکن سب سے زیادہ مہلک بیماری عجب و غرور اور غفلت و کسل ہیں، ان بیماریوں کی اصلاح کے لئے بہت اہتمام سے توجہ دینا چاہئے اور اس بارے میں شدت سے اپنا محاسبہ کرنا چاہئے، جدیدیت، نشاط، شکر اور تواضع کی صفات پیدا کرنا اور انہیں اپنے اندر بڑھاتے رہنا یہ ہمارا اہم مشغلہ ہونا چاہئے۔

غرور، العلم اور غرور الالہیہ سے متعلق گزشتہ چند سالوں میں کئے محاضرے پیش کئے گئے ہیں، ان شاء اللہ العزیز ماہنامہ الکوثر کے صفحہ الطلاب میں وہ شائع ہو جائیں گے، امید ہے کہ انہیں مطالعہ کیا جائیگا اور اہتمام کے ساتھ ہر قسم کے غرور اور اس کے آثار سے اپنے دل اور اپنی سیرت کو پاک رکھنے کی پوری کوشش کی جائیگی۔

ایک چیز جملہ معترضہ کے طور پر یہاں عرض کر دینا مناسب معلوم ہوا، اگرچہ اسے تحریر میں لانے کے بارے میں کچھ تردد بھی ہوا لیکن ترجیح اسی کو معلوم ہوئی کہ لکھ دینا چاہئے، کیونکہ باعث توجہ یہ خیر خواہی ہے، وہ یہ کہ بسا اوقات ہمارے رفتار و گفتار سے ایسا لگتا ہے کہ ہمارے اندر مشیت کا کچھ نہ کچھ احساس چھپا ہوا ہے، یہ ہرگز مناسب نہیں، مشیت کا احساس نہ دل میں ہونا چاہئے نہ رفتار و گفتار میں اس کے اثرات ظاہر ہونا چاہئے، اسی طرح جسم کے ساخت سے ایسا محسوس ہونا کہ طبیعت میں راحت پسندی غالب ہے، جسمانی محنت، پیدل چلنا اور ورزش کے بارے میں حد درجہ سستی ہے یہ کوئی اچھی بات نہیں ان لہجہ تک علیک حتاک مدعی یہ ہے کہ آدمی خسیط اور محنتی ہو، کسل اور کسل والا جمود سے پرہیز کیا جائے، اپنے کپڑے خود دھونا، حماموں کی صفائی کرنا، کم از کم اپنے حمام کی صفائی کیوں نہ ہو، قیام گھر میں ہو تو

گھر کے کاموں میں شرکت کرنا، یہ اور اس نوع کے دوسرے کام جو ثواب کے لئے مفید ہے اور جسم کے لئے بھی مفید ہے، ان کا اہتمام کرنا چاہئے، یہ سمجھنا کہ مدرس بن گیا تو یہ کام اب مناسب نہیں، یہ بہت گری ہوئی سوچ ہے، اپنی سوچ کو بلند بنانا چاہئے، فکر اور جہد ہی تو ہمارا شعار تھا۔

۵۔ زندگی مختصر ہے، کب کس کا بلاوا آجاتا ہے کچھ پتہ نہیں، اس لئے آخرت کی تیاری کے لئے جو کچھ کرنے کا ارادہ ہے اسے ارادے کی دنیا سے جلدی جلدی عمل کی دنیا میں منتقل کرنا چاہئے، تاکہ و تمنی علی اللہ الامانی والا معاملہ نہ ہو۔ اپنی شخصی معمولات، اور جو متعین ذمہ داریاں ہیں انہیں کما حقہ ادا کرنے کے بعد جو وقت بچتا ہے اس کی بہت قدر کرنی چاہئے، اسے زیادہ سے زیادہ مشرب بنانے کی کوشش کرنا چاہئے۔

خاص طور سے تعلیم اور تعلیم و دعوت کی جتنی صورتیں آسانی سے میسر ہو سکتی ہیں ان کا بہت اہتمام کیا جائے، ہر صنف کے لوگوں میں دین کی تعلیم و تفہیم کو عام کرنا چاہئے، کم از کم فرض عین کی بقدر علم (جس کا احاطہ چھوٹا نہیں، بڑا ہے) کا عام چرچا ہونا چاہئے، اس کے لئے تعلیم الدین اکیڈمی کلا جو مرکز کی نگرانی میں چل رہا ہے اس کے نشاطات اور مشایخ معلوم کر کے حسب مشورہ اپنے لئے لائحہ عمل متعین کیا جاسکتا ہے۔

صحیح قرآن، تعلیم نماز، تعلیم سنن واداب، عقائد، عبادات، معاملات، آداب المعاشرة، اخلاق باطنہ سمیت ابواب دین کے کے ہر باب کے بنیادی علم کو عام اور تام کرنے کے لئے اور بھی طریق کار سوچا جاسکتا ہے، کئے طریقے مختلف علاقوں میں زیر عمل بھی ہیں ان سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ جب دعائیں گے تو یہ دعائیں بھی مانگا کریں گے: "رب زدنی علماً"، اللہم انفعنی بما علمتني و علمني ما ینفعني وزدني علماً"، اللہم انی أسألك

علماً نافعاً ورزقاً طیباً وعملاً متقبلاً"، "اللهم رب جبرائیل ومیکائیل
وإسرافیل فاطر السموات والأرض، عالم الغیب والشهادة، أنت
تحکم بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون، اهدنی لما اختلف فیہ من
الحق بإذنک، إنک تهدی من تشاء إلى صراط مستقیم"

جس طرح یہ دعائیں مانگیں گے اسی طرح اپنی علمی و عملی زندگی میں ان دعاؤں کی تطبیق
کی تمنا اور کوشش کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ "مالایسع العالم جملہ" کی فہرست بنا کر ضروری علم
کی تحصیل کی تنظیم اور حاصل شدہ علم کو تازہ رکھنے کے لئے مطالعہ کا ایک مستقل نوع جاری
رکھنا ضروری ہے۔ البتہ یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ مطالعہ میں ضروری سارے جواب کا
احاطہ ہو اور مطالعہ حصص بھی کیا گیا ہو۔ ناقص اور سطحی مطالعہ یوں ہی مضر ہے؛ مگر دقیق،
نازک، اور معرکہ الآراء امور میں توبہ اوقات بالکل مہلک ثابت ہوتا ہے۔

۷۔ "مالایسع العالم جملہ" کی فہرست بہت طویل ہے، اس کے عناصر بھی بہت ہیں۔ ایک
عنصر یہ ہے کہ اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے باطل نظریات، منحرف اور شاذ افکار پر گہری نظر
ہو، کیا افراط ہے اور کیا تفریط اور کون سا راہ اعتدال ہے یہ مستح ہونا چاہئے، نہ خود دوسرے کے
انحراف سے متاثر ہو اور نہ کسی اور کو اپنی شد و ذم میں مبتلا کرے۔

بہر حال ایسی فہرست تیار کرنا اور اسے عملی جامہ پہنانا آپ حضرات کا کام ہے، مثلاً ناقص
الایمان، جہاد، اسلامی سیاست، مغربی نظامہائے سیاست، فساد و رھاب، ہجرت، اقامت
خلافت، دستور مملکت، قوانین وضعیہ۔۔۔ اس طرح کے بہت سے نازک اور ثقیل
موضوعات ایسے ہیں جن پر ایک ذی استعداد عالم کا مطالعہ عام اور تام ہونا چاہئے، اور ان امور پر
ان کی نظر عمیق اور معتدل ہونا چاہئے۔ اور یہ تب ہو سکتا ہے جب مطالعہ کے ساتھ معتدل
مزاج اہل دل اور اہل فقہ سے مذاکرہ و مشاورہ بھی کر لیا جائے۔

۸- ایک طرف تو ظلم یہ ہے کہ عرصہ مکرر از سے جہاد کا فرض مجبور پڑا ہوا ہے، دوسری طرف اس کے بارے میں معاشرے میں عجیب و غریب تفریق بھی پایا جاتا ہے، کوئی تو تحریف کرتے کرتے گویا اس کے انکار تک ہی پہنچنے لگے، اور کوئی شدت شوق کی وجہ سے غیر جہاد ہی کو جہاد سے موسوم کرنے لگے، انصاف و اقتصاد اور توسط و میانہ روی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی افراط و تفریط سمیت ہر نوع کے تطرف سے بچ کر راہ اعتدال کو اختیار کرے۔

جہاد کے بارے میں بہت سے لوگوں کے اندر ایک طرف تو خطرناک قسم کی تفریط پائی جاتی ہے کہ وہ اس عظیم الشان اسلامی شعار اور اہم ترین فرض کے بارے میں عجیب و غریب تحریفوں کا ارتکاب کرتے ہیں! مثلاً:

- ۱- مغربیوں کے بہتانوں سے متاثر ہو کر جہاد اقدامی کا انکار کر دینا۔
- ۲- جہاد کا اصل مقصد لیکن کلمہ اللہ صی العلیا کو نیا معنی پہنا کر اس کی حقیقت کو انکار کر دینا۔

۳- یہ کہنا کہ جہاد کا مقصد دینی نہیں، بلکہ اس کا مقصد صرف انسانیت کا فلاح، اقامت امن اور دفع ظلم ہے۔

- ۴- اپنی طرف سے اعمال دعوت کی یہ ترتیب قائم کرنا کہ:

ا۔ پہلے اپنی اصلاح کرے
ب۔ پھر لوگوں کو دین کی دعوت دے حکیم، موعظ، حسنہ اور جدال بالنی ہی احسن کے سارے راستے اختیار کرے

ج۔ یہ بھی کار گرنہ ہو تو سارے ادیان کے لوگوں کو اپنے اپنے دین اور مذہب کے اتباع کرتے ہوئے پر امن شہر بستھان کی دعوت دے۔

د۔ اگر یہ دعوت بھی قبول نہ کرے اور تعصب کر کے معاشرہ کے امن کے لئے خطرہ بن جائے تو صرف ان کے ساتھ قتال کیا جائے۔

(جہاد سے پہلے سیکور قومیت متحدہ کی طرف دعوت دینے کی یہ بات خطرناک قسم کا احداث فی الدین ہے)

۵۔ یہ کہنا کہ مندر کو بچانا بھی مسلمانوں کا فریضہ ہے

۶۔ یہ کہنا کہ جہاد فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے فرض کیا گیا پھر فوراً ہی فتنہ و فساد کا قرآنی مفہوم چھوڑ کر اسے شنتراش سے تعبیر کرنا، کیونکہ اس طرز فکر اور طرز تعبیر کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ امریکہ اور اس کے حلفاء ہی گویا قرآنی جہاد پر عمل کر رہے ہیں، نعوذ باللہ من ذلک۔

۷۔ یہ کہنا کہ اب قتال والا جہاد کا زمانہ گزر گیا ہے، اب توجہ ہوریت کے ذریعہ اقامت حکومت اسلامیہ کی محنت یا انتخابات کے ذریعہ اقامت حکومت اسلامیہ کی محنت ہی جہاد ہے، اس نوع کی تحریفات بے شمار ہیں۔

افسوس یہ ہے کہ ان میں بہت سے تحریفات ایسے ایک آدمی کی تحریروں میں بھی پائی جاتی ہیں جن کا قومی گھرانہ سے تعلق ہے، اور ساتویں تحریف پر ضمناً الکوثر کے شمارہ رجب 1427ھ میں بھی تبصرہ کیا گیا تھا،^(۱) سلسلہ درس قرآن نمبر 10 "معراج ایرہ متہرج" نامی رسالے میں جو "خندکار پر کا شونی" سے چھپا ہوا ہے۔ اس میں ایک آدمی نے اس طرح کی تحریف کا ارتکاب کیا تھا، اور یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ اب تو ایسی باتیں بعض ایسے دربار سے بھی صریح عبارتوں میں سنائی دیتی ہیں جنہیں دیوبندی ہونے کا دعویٰ ہے! انا للہ وانا الیہ راجعون!

(۱) ۱۰ مضمون "نیرواچیت برہم" جلد ۲ ص ۹۳-۹۵ میں مذکور ہے۔

۸۔ اصل قتال اور مفسدین فی الارض کو کچھ بھی مذمت نہ کرنا اس کے بالمقابل ان لوگوں کو رہائی کہتے رہنا اور فتنہ و فساد کی ساری وعیدیں ان پر کتے رہنا جنہوں نے غلط فہمی کی وجہ سے "جہاد" کا کوئی محدث اور منکر طریقہ اختیار کیا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر صحیح طریقے کے مجاہدین کو فساد کی کہنا!

۹۔ الغرض ایک طرف تو جہاد کے بارے میں تقریب کی شکل میں یہ خطرناک قسم کا تصرف، دوسری طرف افراط کی شکل میں ایک دوسرے نوع کا تصرف بھی پایا جاتا ہے۔

افراط والا تصرف کے تذکرہ سے پہلے احیاء فریضہ جہاد کے فطری اور مننون و ماثور طریقے کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے، دراصل شعائر اسلام اور احکام شریعت میں صرف جہاد ہی مجبور پڑا ہے ایسا نہیں، امت مسلمہ کی شامت اعمال اور غفلت و بے پروائی کی وجہ سے اسلامی حدود بھی مجبور ہیں، اسلامی خلافت و سیاست بھی مجبور ہیں، شعبہ حسبہ و نہی عن المنکر بھی مجبور ہیں، اسلامی عدالت بھی مفقود ہیں، اور جہاد کا فریضہ بھی معطل ہے، تو جس طرح فریضہ اقامت حدود کے احیاء کا یہ طریقہ نہیں کہ ائمہ مساجد یا دارالافتاء والے حد قائم کرنا شروع کر دے، یا جس طرح خلافت و اسلامی سیاست کو زندہ کرنے کا یہ طریقہ نہیں کہ کوئی شخص خلافت کا دعویٰ کر کے روپوش ہو جائے، اور نہ اس کا یہ طریقہ ہے کہ مغربی سیاست میں حصہ لے کر یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے اسلامی سیاست کے احیاء کی ذمہ داری ادا کر دی، اسی طرح فریضہ جہاد کے احیاء کا یہ طریقہ نہیں کہ اقتیالات اور تقییرات والے حملوں ہی کو جہاد سمجھ لیا جائے۔

مثال کے طور پر جس طرح جمہوریت کے طرز پر سیاسی محنت کرنا اسلامی خلافت حاصل کرنے کا نہ ماثور طریقہ ہے نہ یہ کوئی اچھا طریقہ ہے^(۲)۔ اسی طرح احیاء فریضہ جہاد نہ مغربیوں کی نقالی سے ہو سکتا ہے اور نہ ان محدث طریقوں کے اختیار کرنے سے ہو سکتا ہے جو اصول شریعت، جہاد کے احکام و حکمت، اور اس کے روح سے ہم آہنگ نہیں۔

احیاء فریضہ جہاد کا فطری طریقہ یہ ہے کہ پہلے تمکن فی الارض حاصل ہوگا، اور قوت قاہرہ والی اسلامی امارت قائم ہوگی، امیر المؤمنین امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سارے شعبوں کی طرح شعبہ جہاد کو بھی اسلامی احکام کے مطابق زندہ کریں گے^(۳)۔

تمکن فی الارض، حقیقی استطاعت (وہی استطاعت نہیں) اور امارت قاہرہ کی اجازت و نگرانی کے بغیر جہاد کرنے جانا یہ جہاد کا وہ طریقہ نہیں جسے سنت نبویہ اور اصول شریعہ کے مطابق کہا جاسکتا ہے، خاص طور پر اگر وہ طریقہ بذات خود منکر ہو، مخالف شریعت کسی چیز پر مشتمل ہو، تو اس نوع کے کسی عمل میں حصہ لے کر مطمئن ہو جانا کہ جہاد کا فریضہ ادا ہو رہا ہے صحیح نہیں، اور اس نوع کے کسی عمل کی طرف دعوت دینے کو دعوت الی الجہاد کہنا درست نہیں، اس طرح کی دعوت کو قبول نہ کی جائے یا اس طرح کی دعوت سے رکے رہنے کے لئے کہا جائے تو انکار جہاد یا ترک جہاد یا مدہست فی الجہاد کی تہمت لگانا صحیح نہیں۔

جہاد کے بارے میں افراط و التفریط کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ احیاء جہاد کا فطری طریقہ عموماً بہت طویل وقت اور طویل محنت کو متقاضی ہے اور اس

(۲) ہم نے یہ نہیں کہا کہ اس کے ساتھ کسی نوع کا بھی کوئی تعلق حرام ہے، جیسا کہ بعض حلقہ میں کہتا ہے

(۳) "کتاب الجہاد" امام ابن المبارک کے جگہ ترجمہ کے مقدمے کے بالکل آخر میں جو لکھا گیا کہ اس سوال کا جواب ہمیں سیرت سید احمد شہید میں ملے گا اس سے اشارہ جہاد کے اسی فطری طریقے کی طرف ہے۔

میں تسامیل اور بے اعتنائی بھی عام ہے، اس لئے اس کے لئے بعض لوگوں نے کچھ مختصر طریقے ایجاد کئے، اور انہی کو انہوں نے جہاد کا نام دے دیا ہے، پھر ان طریقوں کے بارے میں خود ان کا تجربہ یا رائے بدلتا بھی رہا ہے، اور بعض طریقوں کے بارے میں خود ان کے آپس میں اختلاف بھی پیدا ہوا کہ اسے شرعی جہاد کہا جاسکتا ہے کہ نہیں۔

اس سلسلے میں ایک خاکہ بعض حضرات نے ایسا پیش کیا ہے جس کا مدار انہوں نے متعدد شاذ یا غلو آمیز آراء پر رکھا ہے، مثلاً یہ نظریہ کہ آج کل کے مسلم ممالک جو دیموقراطی طریقے پر چلتے ہیں، جہاں دستور مملکت اور قانون لوگوں کا وضع کردہ ہے، جہاں عدالت قانون وضعی کے مطابق فیصلہ کرتی ہے وہ سب دار الحرب ہیں، اور وہاں کے حکام بلا استثناء سب کافر ہیں، وہ حکام کسی غیر مسلم کو ویزا دے یہ ویزا استتھمان اور معاہدہ کے حکم میں نہیں آئے گا، اس لئے کوئی شخص حامل ویزا اس شخص پر بھی حملہ کر دے تو یہ نقض عہد نہیں ہوگا۔

اسی طرح جہاد کے محدث و مختصر طریقے ایجاد کرنے والوں میں سے بعض کے نزدیک جہاد ہر مومن پر الگ الگ فرض ہے، ہر ایک انفرادی طور پر اس کے لئے مسؤول ہے، اس کے لئے امیر المومنین کی اجازت شرط نہیں، اگر شرط ہو بھی تو وہ امیر اگرچہ غائب ہو اور قوت قاہرہ سے محروم ہو پھر بھی اس امیر غائب کے نام پر کسی بھی مجہول یا معروف ذمہ دار نے اشارہ کر دیا ہو تو کسی بھی ملک میں، اور کسی بھی مقام پر اور کسی بھی شخص پر حملہ کر دینا جائز ہے، اور حملہ چاہے تغیری نوعیت کی ہو، اور چاہے اعتیال کے طور پر ہی کیوں نہ ہو، آگے اس پر کیا نتیجہ مرتب ہوگا اور اس کے لئے کیا وسیلہ اختیار کیا گیا وہ ہمیں دیکھنے کی ضرورت نہیں!!

ان میں سے بعض کا کہنا ہے کہ اب تہذیب حکم جہاد کی استطاعت بھی موجود ہے، تو یہ بھی ایک عجیب معاملہ ہے کہ جہاد کی استطاعت موجود ہے لیکن اقامت خلافت کی استطاعت نہیں

ہے؟! سوچنا چاہیے کہ اگر تمہارے امیر کے اندر جہاد کی استطاعت ہوتی تو وہ تمہارے اس ملک میں خلافت اسلامیہ بھی قائم کر سکتے!

کم و بیش اس طرح کی تلفیقی انداز سے بعض لوگوں نے احیاء فریضہ جہاد کے لئے نیا خاکہ قائم کیا۔

آج کل مدارس قومیہ کے بہت سے طلبہ میں بھی یہ بیماری پیدا ہو گئی کہ وہ شبکہ سے نکال کر اس طرح کی تحریرات پڑھتے رہتے ہیں، انہیں یہ تمیز نہیں ہوتی کہ ان میں کتنی باتیں فاحش منکر ہیں اور کتنی باتیں مرجوح نوعیت کی ہیں، کتنی باتیں اجتہادی یا ذوقی نوعیت کی ہیں جن میں اجہار نہیں چل سکتا ہے اور جو دوسروں پر جہت نہیں ہو سکتی ہے، پھر ملفق منہ مسائل میں سے بعض یا اکثر اگر صحیح بھی ہوں لیکن ہیئت ملفقہ جو پیدا ہوئی اس کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ بھی کوئی جائز صورت ہے؟ اگر جائز ہے تو وہ جہت ملزمہ بھی ہے؟

تحقیق و تفتیش کے بغیر اس طرح کی تحریرات کو بعض طلباء خرف اخیر سمجھتے ہیں، اور انہی کی بنیاد پر وہ اپنے کو باخبر اور فریضہ جہاد کے ادا کرنے والے سمجھتے ہیں، اور اپنے اساتذہ کو مغفل اور مداین سمجھتے ہیں۔

اور بعض تو اس سلسلے میں اتنے تشدد پسند ثابت ہوئے کہ وہ مستعار اس علم کی بنیاد پر (فرض کیا کہ وہ اپنی دانست میں بلکہ اپنی تحقیق میں اسے درست بھی سمجھتے ہیں) بلمان قال یا بلمان حال ایسی تجدید کے مدعی ہیں کہ ان کی دعوت قبول نہ کرنے والے ان کی نظر میں گویا سیادت علم کے قائل ہی نہیں تھے ہوا ہیں۔

پچھلے ادوار میں تھانسیبیخ الصیف کا مرض، اور اب عام ہو رہا ہے تشبیخ الشبکہ کا مرض، یوں شبکہ میں مخالف رائے اور اس کے مآخذ کا ذکر بھی موجود ہے لیکن وہ ان کو پسند نہیں!

عزیزان محترم! یاد رکھیں کہ مسلم ممالک کے حکام کی عمومی تکفیر (کفر مخرج از ملت کے معنی کے لحاظ سے) کے قول کو اگر باطل محض قرار نہ بھی دیا جائے اسے صرف ایک ضعیف قول ہی قرار دیا جائے پھر بھی اس پر یہ تفریع کہ اب ان کے عہد و موافق یہاں کے موافقین کے لئے واجب الاتزام نہیں ان کا نقض نقض عہد اور غدر نہیں، بلاشبہ باطل محض ہے۔ اسی طرح اس پر یہ تفریع کہ "اب اس ملک میں ہر قسم کی تقیری حملہ اور اعتیالی حملہ جائز ہوگا، بلکہ جہاد میں شامل ہوگا" باطل محض ہے۔

اسی طرح یہ تصور کہ "جمہوری نظام سیاست کے ساتھ کسی قسم کا بھی تعلق شرک / کفر / حرام ہے" غلط ہے، بلکہ اس میں تفصیل کرنا ضروری ہے، فقہ و فتویٰ کے اصول و قواعد کو پس و پشت ڈال کر جو غلو کا شکار ہوتا ہے وہی اس طرح کی مطلق باتیں کر سکتا ہے، جو شخص جمہوری نظام کو لادینی نظام سمجھتا ہے، اس کے جو دفعات کسی کفری عقیدہ پر متفرع ہے وہ انھیں باطل سمجھتا ہے، اور اس نظام کے کسی دفعہ کی بھی غیر شرعی تطبیق کو وہ جائز نہیں سمجھتا ہے، اسے صرف ووٹ دینے کی وجہ سے یا انتخاب میں شرکت کرنے کی وجہ سے یا پارلیمنٹ میں جانے کی وجہ سے مشرک قرار دینا غلو نہیں تو کیا ہے؟

الغرض مجبور فریضہ جہاد کو زندہ کرنے کے غلط اور شاذ طریقے، یا مخدوش و مشکلم فیہ طریقے عزیزان محترم بہت پہلے ہی سے موجود ہیں، اگر آپ ان خیالات پر اینہ ہی کو جن سے خود ان کے موجدین کے بہت سے حضرات بھی رجوع کر چکے ہیں یہاں اعادہ کرنا چاہتے ہیں اور الحرج لایحرج کے برخلاف انہیں کا نیا تجربہ کرنا یا کروانا چاہتے ہیں تو یہ کوئی تجدید یا فتح جدید تو ہر گز نہیں، دیکھنا یہ ہے کہ یہ کوئی کار ثواب بھی ہے کہ نہیں؟ پھر اس میں اتنی قوت بھی ہے کہ نہیں کہ اسے سارے اہل علم کے لئے حجت ملزمہ قرار دیا جائے جو اس سے موافقت

نہ کرے وہ مدائن ہے، دیوبندیت سے خارج ہے، اہل السنّت سے خارج ہے، یا ایک قدم آگے
بڑھ کر اسلام ہی سے خارج ہے۔

عزیزان محترم! امید ہے کہ آپ میں سے کوئی اس طرح کے غلو میں مبتلا نہیں ہوں گے،
اور کسی کو مبتلا ہوتے دیکھیں گے تو اکرام و محبت کے ساتھ ان کے سامنے کسی قسم کے نزاع و
جدل کے بغیر صحیح صورتحال پیش کرنے کی کوشش بھی کریں گے، لیکن اس سے پہلے شرط یہ
ہے کہ خود اس موضوع کو دلیل اور واقعات کی روشنی میں علی وجہ البصیرۃ سمجھنے اور ہضم کرنے
کی کوشش کریں گے۔

محترم بھائیو! جہاد مجبور ہونے کی وجہ سے ہمارا کرنا یہ نہیں ہو گا کہ غیر شرعی طریقے سے
جہاد کیا جائے، یا جہاد کا کوئی مشتبہ صورت ایجاد کر کے اسے ہر ایک کے لئے واجب القبول قرار
دیا جائے، کیونکہ جیسے مجبور اعمال کا احیاء ضروری ہے اسی طرح اس کا احیاء شرعی طریقہ سے
اسوۂ نبوی کے تحت ہونا بھی ضروری ہے، اس لئے غفلت اور بے خبری کا تدارک شرعی طریقہ
کی تلاش اور اسے اختیار کرنے میں ہی ہے، نہ کہ کسی اور محدّث و منکر صورت میں، معتدل
مزاج علمائے کرام نے وہ لائحہ عمل بھی پیش کیا ہے، شبکہ میں اس نوع کی کتابیں بھی ملتی ہیں۔

عزیزان محترم! اہل فقہ طالب علم کا شیوہ یہ نہ ہونا چاہئے کہ وہ متشابہات فی الظاہر و لکن
متفارقات فی الحقیقہ کے مابین تمیز نہ کر سکے، اسے سمجھنا چاہئے کہ ملا عمر کے دور کے طالبان کی
جدوجہد جہاد شرعی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پاکستان کے طالبان کے اقدامات بھی جہاد
ہوں، حماس کے اقدامات درست ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آئی ایس کے اقدامات بھی
جہاد شمار ہوں، اگر مجھے حقیقت معلوم نہیں تو خاموشی کا راستہ میرے لئے کھلا ہوا ہے،
ضرورت پڑے تو اہل علم سے رجوع کیا جاسکتا ہے، لیکن بلا تحقیق کسی بھی حرکت کو جہاد شرعی
قرار دینا یہ کسی ذمہ دار طالب علم کا کام نہیں ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ ہمارے ملک میں خاص طور پر اور دیگر ممالک میں عام طور پر آج کل ایک انتشار تبلیغی جماعت کے حالات راہنہ کی نسبت سے بھی چل رہا ہے، اس بارے میں مرکز کا موقف ظاہر ہے، مرکز اس بارے میں اکابر علمائے دیوبند کے مسلک کے تابع ہے، الگوثر کے مختلف شہروں میں مختلف تحریرات شائع ہوئیں، آگے بھی ان شاء اللہ تعالیٰ شائع ہوتی رہیں گی۔

اصل میں اس جماعت کے بہت سے عوام اور نچلے طبقے کے مختلف ذمے داروں میں غلو تو پہلے ہی سے موجود تھا، اور اس پر وقتاً فوقتاً اہل علم کی طرف سے کم و بیش نکیر بھی ہوتی رہی، لیکن اب صورت حال پہلے سے مختلف ہے، اس وقت بالکل مرکزی جگے میں جو شخص سب سے بڑے ذمے دار بنے ہوئے ہیں، ان کی طرف سے یکے بعد دیگرے منکر اقوال، منکر آراء اور منکر افکار کی اشاعت جاری ہے، اور اب ان منکرات اور ضلالت کو غلو نہیں بلکہ عین سیرت اور عین ہدایت قرار دیا جا رہا ہے اور ان کے لئے دلائل فراہم کیا جا رہا ہے، اس لیے اب عمومی نکیر کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا، مصالحت سے اب بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے لیکن اس معاملے میں مصالحت اصلاح پر موقوف ہے، عقائد و افکار کی اصلاح کے بغیر دینی معاملے مصالحت کیسے ممکن ہے، دارالعلوم دیوبند نے اس بارے میں صورت حال کا صحیح اندازہ لگایا ہے اور نہایت ہی معتدل موقف اختیار کیا ہے، مرکز نے جو کیا وہ اسی موقف کی شرح و تفصیل ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

یہاں دو باتیں ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ ایک یہ کہ گمراہی کی تردید میں بھی زبان و قلم کے استعمال میں شرافت اور آداب کی رعایت کرنا ضروری ہے، اس میں اگر کسی نے تساہل برتا ہے ہمیں ہر گز ان کا طرز اپنانا نہیں چاہیے، بلکہ اکرام و احترام کا اسلوب ہی اختیار کرنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کوئی بات بلا تحقیق نہ کہی جائے اور فرق مراتب کی ضرورت رعایت کی جائے، یعنی ذہول کی غلطی کو علمی غلطی نہ بنائی جائے اور عام غلطی کو گمراہی کی غلطی قرار نہ دی جائے، اسی طرح لازم مذہب کو (اگر لزوم غیر بین ہو) عین مذہب نہ بنایا جائے، جو بات مولانا سعد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ ورعہ سے ثابت نہ ہو اسے ان کی طرف نسبت نہ کی جائے، جو بات معقول تاویل کا احتمال رکھتا ہے اسے اغلاط کی فہرست میں نہ لائی جائے، جس بات سے رجوع کر لیا ہے اور رجوع کے بعد اس کا اعادہ نہ کیا ہو اسے ان کی طرف نسبت نہ کی جائے۔

سنا کہ مرکز کے بعض مختصر جین کو اس مسئلہ میں علمائے کرام کے موقف کے بارے میں تردد یا اس سے اختلاف ہے اگر ایسا ہو تو وہ بلا جھجک آجائے اور تحریری یا تقریری طور پر مذاکرہ کر کے اپنے اشکالات پیش کرے۔

۱۱۔ اپنی تقریر و تحریر میں تحقیق و اتقان کا تو ضرور خیال رکھنا ہو گا اس کے علاوہ بھی چند امور کی رعایت کرنا ضروری ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ طنز و تشبیہ کے اسلوب سے خوب اہتمام سے پرہیز کرنا ضروری ہے، یہ اسلوب موذی ہے، اس پر کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا ہے، نصیحت اور دعوت کے مزاج کے ساتھ اس اسلوب کی کوئی مناسبت نہیں، اپنی باتوں کو حاکمانہ اور جارحانہ اسلوب سے نہیں بلکہ داعیانہ اور ناصحانہ اسلوب سے پیش کرنے کی تمرین کرنا چاہیے۔

۲۔ عوام کو علماء سے متنفر کرنا، طلبہ کو اساتذہ سے متنفر کرنا اور چھوٹوں کو بڑوں سے متنفر کرنا کوئی ثواب کام نہیں اور نہ اس سے امت کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے، یہ اہل حق کا مزاج نہیں، یہ تو دشمنان اسلام کا طریقہ ہے، یا اہل بدعت کا شیوہ ہے، اہل حق میں سے کسی کے یہاں یہ اسلوب شعو و نادری پایا جاتا ہے، یا تو بے خیالی کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہو گا یا کوئی اور عارض پیش آیا ہو گا۔

الغرض لسان ابن حزم کے بارے میں مثل مشہور ہے، آپ کو وہ اسلوب نہیں اپنانا ہے،
آپ کو نقد و تبصرہ میں بھی معتدل اہل علم کا اسلوب اپنانا ہے۔

ج۔ ذوقیات و اجتہادیات میں دوسروں کے آراء کا احترام کرنا تو بہر حال ضروری ہے، کسی
کے زلات پر نقد کرتے ہوئے بھی ادب و احترام کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، یہاں تک گمراہی کی
باتوں کی تردید میں بھی شرافت اور آداب عامہ کی رعایت کرنا مطلوب ہے۔

۱۲۔ ایک اہم بات جس کا پہلے بھی تذکرہ ہوا تھا کہ ہم خدمت خلق کے کاموں میں حسب
استطاعت کچھ نا کچھ ضرور حصہ لیا کریں۔ إنک تحمّل الکمل، و تکسب
المعدوم.....، و تعین علی نوائب الحق کی سنت کو زندہ کرنے میں ہمارا بھی کم و بیش
حصہ ضرور ہونا چاہیے۔

۱۳۔ آخری گزارش یہ ہے کہ کسی کی کوئی بھی نئی تحقیق آپ کے سامنے آئے، یا خود اپنے کو
کسی موضوع پر از سر نو تحقیق کرنے کی نوبت آئی اور نتیجہ تحقیق مشہور رائے کے برخلاف نکلا، یا
یوں ہی کوئی عجیب و غریب سا نتیجہ سامنے آیا، ہر حال میں اس کی عام اشاعت سے پہلے اپنے اساتذہ
سے مذاکرہ کر لینا چاہیے، بلکہ دوسرے علماء و مشائخ سے بھی استصواب کر لینا چاہیے۔

عزیزو! آپ کی علمی استعداد اور نظر و فکر کی صفات سے متعلق آپ کے اساتذہ باخبر ہیں، آپ کا
معیار تحقیق بھی ان کے سامنے ہے، اس لیے اپنے بارے میں اتنی خوش فہمی نہ چاہیے کہ اپنے کو
مستقل بنفہ ہی سمجھنے لگیں۔

هذا، و صلی اللہ تعالیٰ و بارک وسلم علی سیدنا و مولانا محمد و علی
آلہ و صحبہ اجمعین، و الحمد للہ رب العالمین.

أبو الحسن محمد عبد اللہ

محمد عبد المالك غفرلہ

۲۱ رجب ۱۴۴۰ھ